جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب علی گڑھ

# اسلامی تمدن میں علم کی روایت اور اس کے متعلقہ مسائل

# علم کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی جان توڑ کوشش

قرآن کریم کی نسبت سے فن خطاطی کو بڑا عروج نصیب ہوا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسی مصحف کے صدقے میں یہ فن ایجاد ہوا، اور اس نے اسی کے توسط سے ارتقا کے منازل طے کئے، دراصل خطاطی و خوشنویسی ہمارے رسم خط کی تخصیص ہے ورنہ دنیا کے تمام رسم خطوں کا مقصد محض مفاہم کا ضبط تحریر میں لانا ہے یہاں وجہ ہے کہ ہر شخص کی تحریر مختلف ہونے کی وجہ سے تحریر کے ہزاروں لاکھوں نمونے ہر ترقی یافتہ زبان میں مل جائیں گے، لیکن ان میں بذات خود ایسا ہنر نہ ہوگا جس سے علم کے اصول منضبط ہو سکیں اسکے برخلاف عربی و فارسی رسم خط کی بدولت خطاطی و خوشنویسی کا فن وجود میں آیا، اس میں وسعت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ یہ فن نہایت وقیع علم قرار پایا، اس کے اصول وضوابط مقرر ہوئے، اس کے اقسام الگ الگ خواص قرار پائے، اس طرح جداجدا مکاتب وجود میں آئے، بے جا نہ ہوگا کہ چند سطروں میں اس کے بارے میں کچھ تفصیل درج کر دی جائے،

خط عربی ابتداءً سادہ و نسخ تھا، یہی سادگی حضور اکرمؐ کے فرامین میں موجود ہے منجملہ ان کے حضورؐ کا نامہ مبارک ہے، جو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے مجلے میں شائع ہوا، دوسرا نامہ مصر و قبط کے بادشاہ مقوقس کے نام ہے۔

© rasailojaraid.com



جو پہلی بار مجلہ الہلال قاہرہ میں ۱۹۰۴ء میں چھپا تھا حضور اکرمؐ کا فرمان منذر بن ساوی کے نام ہے۔ جو جرمنی کے مجلہ zdmg ج ۱۴، ۱۸۶۰ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا، اسی خط میں دو نمونے پیش میں ہو گئے ہوئے، یہ ابتدائی سادہ نسخ رفتہ رفتہ خط کوفی سے نزدیک تر ہوتا گیا، چنانچہ اس نسخ ممزوج بکوفی کا قدیم ترین نمونہ قاہرہ میوزیم میں محفوظ ہے، یہ ایک مزار کا کتبہ ہے، جو ۳۱ھ کا ہے، دوسرا کتبہ ۷۲ھ کا ہے، جو بیت المقدس پایا جاتا ہے، ایک تحریر ولید بن ملک ۸۶-۹۶ھ کے عہد کی ملی ہے یہ سادہ خط نسخ اور نسخ ممزوج بہ کوفی کے طرز میں ملتا ہے، رفتہ رفتہ تزئینی شکل اختیار کر لیتا ہے، عباسی دور میں خطاطی کی بڑی ترقی ہوئی، خلیفہ مامون کے دور کا بڑا خطاط ابو خالد احول تھا، اس نے خطاطی کے قواعد منضبط کئے، اور اس کی وجہ سے خطاطی کے بہترین نمونے وجود میں آئے، اسی دور کا ایک وزیر فضل بن سہل سرخسی ذوالریاستین تھا، اس کی توجہ سے خط الریاستی رواج پذیر ہوا، یہی خط چار خطوں کا مبدء ہے یعنی ثلث، محقق، رقاع، غبار، تیسری صدی ہجری کے خط کی بہترین یادگار ایک کلام مجید ہے جس کی کتابت ۲۰۲ھ کی ہے، اور دمشق کے میوزیم میں محفوظ ہے، یہ خط کوفی تزئینی میں ہے، آستان قدس مشہد میں ایک قرآن ۲۹۸ھ کا مکتوبہ ہے، یہ کوفی خط میں ہے، جو مائل بہ نسخ ہے، اسی آستانے کا ایک نسخہ سلطان محمود غزنوی کے دبیر ابوالحسن عراقی کا وقف کردہ ہے، جو خط نسخ مائل بہ ثلث میں ہے، چوتھی صدی میں ایک تزئینی خط وجود میں آیا، جس کو بیر آموز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اس دور میں سادہ خط نسخ بھی رائج تھا، آستان قدس مشہد کے گنجینۂ قرآن میں قرآن کا ایک نسخہ خط کوفی مائل بہ نسخ میں ہے، اس کو سلطان محمود غزنوی کے وزیر ابوالقاسم منصور نے ۳۹۳ھ میں وقف کیا تھا، پانچویں صدی کے جو نسخے ملتے ہیں ان میں تزئینی خط کے علاوہ تذہیب و تنقیش بھی ملتی ہے، اس کے سلسلے میں قرآن کے چند نسخے قابل ذکر ہیں نسخہ قرآن خط کوفی کاتب محمد عثمان ورّاق غزنوی تاریخ وقف آستان قدس ۴۶۶ھ (۲) نسخہ قرآن خط کوفی مائل بہ بیر آموز مجموعہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



چیسٹر بیٹی (۳) نسخہ قرآن خط کوفی باتذہیب کتاب خانہ پیرس مکتوبہ ۵۰۵ھ (۴) نسخہ قرآن خط کوفی باتذہیب کاتب ابو بکر بن احمد بن عبید اللہ غزنوی، مصر میوزیم کتابت ۵۶۶ھ چھٹی صدی ہجری میں خط نسخ میں ریحان، رقاع، توقیع کی آمیزش ملتی ہے، اس کی نمایندگی محمد بن عیسیٰ بن علی نیشاپوری کے قرآن پاک مکتوبہ ۵۸۶ھ سے ہوتی ہے، جو سلطان غیاث الدین محمد بن سام کیلئے تیار ہوا تھا، اور جواب ایران باستان کے میوزیم میں محفوظ ہے۔

اسلامی دور کی خطاطی کی سات سو سالہ تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے، ابتداء میں نسخ سادہ کا رواج تھا، پھر نسخ آمیختہ بکوفی کا رواج ہوا، پھر کوفی سادہ، پھر کوفی ممزوج بہ نسخ، پھر کوفی تزیینی، اور نسخ تزیینی رواج پذیر ہوئے، لیکن ان میں جو ذرا ذرا سا فرق ہے، اس کے اعتبار سے الگ الگ نام ہوئے، جن کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے، لیکن اوائل تیموری دور میں صرف چھ خط زیادہ متداول تھے، ثلث، ریحان، محقق، نسخ، توقیع، رقاع، اس کے بعد نستعلیق خط وجود میں آیا جو فارسی خط ہے، لیکن اس میں بھی قرآن کریم کے نسخے ملتے ہیں۔

قرآن کریم کی آرائش و زیبائش پر جتنی توجہ ہوئی وہ دنیا کی کسی ایک کتاب کا کیا ذکر سارے ذخیرہ پر نہ ہوئی ہوگی، ہزاروں فن کاروں نے اپنے ہنر کی نمائش کے لیے قرآن کو منتخب کیا، اس کے نتیجے میں خود قرآن کے ایسے ایسے نادر نسخے وجود میں آئے ہیں جو اسلامی خطاطی کی تاریخ کے لیے اہم مواد کا کام دیتے ہیں، لیکن ابھی خطاطی کی تاریخ اس اہم ماخذ کی روشنی میں لکھی نہیں جا سکی ہے، قرآن مجید کے جتنے نسخے ملتے ہیں، اتنے نسخے دنیا میں کسی ایک . . . . کتاب کا کیا ذکر متعدد کتابوں سے مل کر نہ ہوں گے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے، اور اسی پر سب سے زیادہ ہنر صرف ہوا ہے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں ایسے ایسے نئے علوم ایجاد ہوئے جن کا نام و نشان بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دوسرے تمدن میں نہیں، اس کے نتیجے میں ہزاروں علما اور لاکھوں کروڑوں کتابیں معرض وجود آئیں جو موضوع کے لحاظ سے بھی بالکل نادر تھیں، تہذیب انسانی اسلام کے اس احسان عظیم سے گراں بار ہے۔

علوم شرعی میں جن امور و مسائل پر علماء اسلام نے کتابیں تصنیف کیں ان مسائل سے تہذیب بشری دوچار نہیں ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ دنیائے علم میں زبردست اضافے کا موجب اور اسی اعتبار سے تاریخ بشر پر اسلام کا احسان عظیم ہے، نئے علوم کی دریافت اور ان سے متعلقہ امور کا نہایت درجہ عمیق مطالعہ مسلمانوں کا اتنا عظیم کارنامہ ہے، جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں مل سکتی، علوم شرعیہ کا یہ رخ حد درجہ قابل توجہ ہے۔

علوم عقلی میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دئے وہ اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ پورے عالم میں اس لحاظ سے ان کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ جب عالم اسلام میں بیت الحکمۃ قائم ہو رہے تھے اور ان میں اہم علمی مسائل کی تحقیق و تدقیق انجام پا رہی تھی، یورپ تعلیم کے ابتدائی مراحل سے بھی نہیں گذرا تھا، مسلمانوں نے یونانی علوم کو عربی میں اس طرح منتقل کیا، اور اس پر جو بیش بہا اضافہ کر کے ان میں نئی جہتیں پیدا کیں، یونانی علوم کا بیشتر حصہ اصل زبان میں زمانہ کی نذر ہو گیا تھا، البتہ عربی زبان میں وہ سارا کا سارا محفوظ رہا، اور یہی یورپ میں نشأۃ ثانیہ کا موجب ہوا، اہل عرب کو اب سارے عالم کی علمی سربراہی حاصل ہوئی، اور ان کی یہ بالادستی کئی صدی تک قائم رہی، چنانچہ مشرق اور مغرب کے سارے دانشوروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر عربوں نے علم کی حفاظت میں ایسی جان توڑ کوشش نہ کی ہوتی تو یورپ ابھی تک ..... دور تاریکی میں ہوتا، تہذیب عالم اسلام کے بار احسان سے کیوں کر سبکدوش ہو سکتی ہے، اب میں جستہ جستہ چند علما کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یونانی علوم نہ صرف محفوظ رہ گئے، بلکہ ان پر اضافے ہوئے، اور ان کی نئے سرے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تجربہ اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا گیا، اس طرح وہ لوگ دنیائے علم میں زبردست اضافے کا موجب بنے، علوم کی ترقی میں خلفائے عباسی نے جو کارنامے انجام دیئے وہ ہمیشہ زندہ اور تابناک رہیں گے،

مشاہیر علمائے ریاضی میں یوں تو کئی نام ملتے ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر شخصیت ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی معاصر خلیفہ مامون (۲۱۸ھ/۸۱۹ء) کی ہے، اس کی کتاب حساب کا عربی متن مفقود ہے لیکن اس کا بارہویں صدی عیسوی کا لاطینی ترجمہ موجود ہے، اس کی دوسری اہم کتاب کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ موجود ہے، یہ کتاب لاطینی اور انگریزی دونوں یورپی زبانوں میں منتقل ہو گئی ہے، خوارزمی نے ان دونوں کتابوں کے ذریعے اسلامی نقطۂ نظر کو یورپ سے روشناس کرایا، اہل یورپ اس کو الخوارزم کہتے ہیں۔

خوارزمی کے معاصرین میں محمد بن کثیر فرغانی ہے، جس کے دو رسالے اسطرلاب پر اور ایک کتاب اصول علم نجوم پر ہے، یہ کتاب لاطینی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔

قرن سوم کے دانشوروں میں بنی موسیٰ بن شاکر قابل ذکر ہیں، ان کی ایک کتاب معرفۃ الاشکال البسیطۃ والکریہ موجود ہے، اس کا ایک بیٹا محمد بن موسیٰ ہے، متوفی ۲۵۹ھ، جس کی مشہور تصنیف کتاب المخروطات ہے۔

اسی دور کا ایک ریاضی دان و منجم عمر بن الفرخان الطبری ہے، جس نے کتاب الاربعۃ لبطلیموس القلوذی کی تشریح لکھی ہے، وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے، اس کی نجوم پر دو کتابیں جوامع الاسرار و کتاب مختصر باقی ہیں۔

اسی صدی کا سب سے مشہور فلسفی یعقوب بن اسحاق الکندی ہے۔ (۲۵۸ھ) اس کے تین رسالے موجود ہیں، بعض کی اصل عربی باقی ہے اور بعض کے محض لاطینی ترجمے، اس کی اکثر تصانیف ۱۲ ویں صدی میں Geradus Cremonesis کے وسیلے سے لاطینی میں منتقل ہوئی تھیں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کندی یونانی علوم کا زبردست ماہر تھا، اس کے ذریعے سے اصل علوم تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اس کے شاگردوں میں ابومعشر بلخی (م ۲۷۲ھ) احمد بن طیب سرخسی اور احمد بن سہل بلخی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس دور میں یونانی اور دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے ترجمے ہوئے، ان مترجمین میں ثابت بن قرۃ حرانی کا نام قابل ذکر ہے، اس نے ریاضی، ہندسہ اور طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، جو اکثر موجود ہیں۔

اس دور کی طبی تصانیف میں منصور عباسی کے طبیب جرجیس بن بختیشوع کی کتاب الکناش موجود ہے، ابوزکریا یوحنا بن ماسویہ (م ۲۴۳) کی کتاب الحمیات المشجر باقی رہ گئی۔ حنین بن اسحاق نے یونانی اور سریانی سے طب کی متعدد کتابیں عربی میں منتقل کیں۔ لیکن تیسری صدی کا سب سے مشہور طبیب ابوالحسن علی بن سہل ابن طبری ہے، اس کی مشہور کتاب فردوس الحکمۃ ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی علوم اسلامی خصوصاً علوم عقلی کی ترقی کا دور ہے۔ اس دور میں محمد بن زکریا رازی، ابونصر فارابی، علی بن عباس مجوسی، ابن سینا، ابوریحان بیرونی، ابن مسکویہ، ابوسہل مسیحی، وغیرہ دانشوروں کی وجہ سے علوم اسلامیہ نے وہ درجہ حاصل کر لیا، جو اسے کبھی نصیب نہ تھا، اور انہی کی کوششوں سے مشرق کو علم کے میدان میں وہ امتیاز حاصل ہوا جو اسے پھر کبھی نہ ملا، اور اسی کی وجہ سے سارے عالم کی علمی سربراہی کئی سو صدی تک مشرق کے حصے میں رہی۔ طب، حکمت، ریاضی، جغرافیہ، ایسے علوم ہیں جن میں مسلمانوں نے نہایت درجہ ناموری حاصل کی۔ اس سلسلے کے بعض مشاہیر کا نام درج کیا جاتا ہے۔

حکمائے بزرگ میں محمد بن زکریا رازی، ابونصر فارابی، ابوسلیمان منطقی، ابن رشد، ابن طفیل، ابوحیان توحیدی، ابن مسکویہ، ابن سینا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، علوم ریاضی میں ابوالوفا بوزجانی، ابوجعفر الخازن الخراسانی، ابوسعید احمد بن عبدالجلیل سگزی، عبدالرحمٰن صوفی، ابوالحسن [illegible]



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ابوریحان محمد بن احمد بیرونی قابل ستائش ہیں، طب میں محمد بن زکریا رازی، علی بن عباس مجوسی ابوسہل مسیحی جرجانی، ابن سینا کا نام کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، علم جغرافیا میں ابوالقاسم محمد بن خردادبہ ابوالقاسم محمد بن حوقل، ابواسحاق ابراہیم اصطخری، شمس الدین مقدسی، ابوعبداللہ احمد بن محمد جیہانی، ابوالحسن علی مسعودی، ابوزید بلخی، ابوریحان بیرونی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

علم تاریخ میں مسلمانوں نے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں، اسلامی تمدن کی برتری کے زمانہ میں بڑے بڑے مورخین گذرے ہیں، ان میں چند کا نام یہ ہے،

ابن اسحاق، سیرت سنہ ۷۶۷ء۔ بلاذری، فتوح البلدان سنہ ۸۹۲ء۔ ابن قتیبہ کتاب المعارف سنہ ۸۸۹ء۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال سنہ ۸۹۵ء۔ یعقوبی سنہ ۸۹۲ء ۲۵۸ھ حمزہ اصفہانی سنہ ۹۶۱ء۔ مسکویہ۔ سنہ ۱۰۳۰ء۔ محمد بن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک سنہ ۳۱۰ھ۔ ابوالحسن علی المسعودی مروج الذہب سنہ ۹۵۶ء۔ ابن الاثیر الکامل فی التاریخ سنہ ۱۲۳۴ء ۶۳۰ھ۔ ابن خلکان وفیات الاعیان۔ سنہ ۶۸۳ھ۔ ابن خلدون۔ سنہ ۸۰۶ھ۔ یاقوت حموی سنہ ۶۲۶ھ، ابن خلدون سنہ ۸۰۶ھ، ابن عساکر تاریخ دمشق سنہ ۵۷۱ھ۔ ابن خطیب بغدادی۔ تاریخ بغداد وغیرہ

ان کے ساتھ فارسی زبان کے چند مورخین کے نام کا اضافہ غیر ضروری نہ ہوگا۔

ابوالفضل بیہقی تاریخ مسعودی۔ گردیزی۔ زین الاخبار۔ عطا ملک جوینی، جہاں کشا۔ رشید الدین فضل اللہ۔ جامع التواریخ۔

ان کے علاوہ طبقات کے سیکڑوں مولفین کے کارنامے ہیں، جو تاریخ کے اہم ماخذ ہیں، اور جن کے بغیر اسلامی علوم کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

مسلمانوں نے علوم و فنون کی ترقی میں جو قابل ذکر کارنامے انجام دئے ہیں، ان کا اعتراف اہل مغرب نے بھی کیا ہے، چنانچہ ہٹی جیسے مصنف کو یہ قول دہرانا پڑا،



© rasailojaraid.com

"بنی نوع انسان کے مخصوص کام مسلمانوں کے توسط سے انجام پذیر ہوئے، عظیم ترین فلسفی الفارابی مسلمان تھا، سب سے بڑے ریاضی دان، ابوکامل اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھے، سب سے بڑا جغرافیہ دان اور دائرۃ المعارف بہ صلاحیت کامل مسعودی مسلمان تھا اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان تھا۔"

غرض اسلامی تمدن کی علمی برتری ایسے دانشوروں کے کارناموں کی وجہ سے ہے، جن کی اہمیت آج بھی برقرار ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس تمدن کی سب سے زیادہ قابل توجہ تخصیص کتابوں کی کثرت اور تنوع ہے، تہذیب بشر میں کسی مخصوص قوم کے یہاں نہ اتنے دانشور ملیں گے، نہ ان کے یہاں علوم و فنون میں اتنا تنوع ہوگا، نہ ان کے یہاں اتنا علمی سرمایہ ہوگا، اگرچہ اس علمی سرمایے کا بیشتر حصہ مفقود ہو چکا ہے، اور جو موجود ہے، وہ مفقود حصے کا محض ایک حقیر جز ہے، اگر کسی طرح مفقود اور معلوم سرمایے کا احاطہ ہو سکے تو معلوم ہوگا، کہ کتابوں کی تعداد کئی کروڑ تک پہنچ جائے گی، ان کتابوں کی ایک بڑی خصوصیت ان کی ضخامت ہے، بعض علما کی کتابیں ۸۰ مجلدات سے زیادہ ہیں، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور زکریا رازی کی الحاوی اس زمرے میں آتی ہیں، طبری کی تاریخ الرسل والملوک ۱۵ جلدوں میں لائڈن سے ۱۸۷۹ء تا ۱۹۰۱ء شائع ہوئی ہے، اور اس کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴۰ مجلدات پر مشتمل تھی، سامانی امیر ابو صالح منصور بن نوح ([illegible]) نے دیکھی تو کہا کہ اتنی ضخیم تفسیر کا مطالعہ میرے بس کا نہیں، پھر اس نے ماوراءالنہر اور خراسان کے علما کو جمع کیا، اور اس کے ترجمے کے جواز میں کوئی قطعی فیصلہ چاہا، علما کی ایک جماعت نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر جائز ہے، اس کے چند علما اس کام کے لئے منتخب ہوئے، اور انھوں نے فارسی میں تفسیر طبری کا خلاصہ مرتب کیا، جو ۱۱ مجلدات پر مشتمل تھا۔

© rasailojaraid.com



امیر خلف بن احمد (م ۳۹۹ھ) سیستان کا نامور حکمران گذرا ہے، جو ۳۹۳ھ میں محمود غزنوی سے شکست پا جاتا ہے، اس کے بعد محمود کا قبضہ سیستان پر مستحکم ہوتا ہے، امیر خلف نہایت سخی اور عادل بادشاہ تھا، علوم کا بڑا قدردان اور علما و فضلا کا مربی تھا، مشہور مورخ عتبی نے تاریخ یمینی میں اس کے فضائل کے ذکر میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ امیر مذکور نے اپنے زمانے کے مشہور علما کو جمع کیا، اور قرآن مجید کی ایک ایسی مفصل و جامع تفسیر لکھنے کی فرمائش کی جو مفسروں کے اقوال، متقدمین و متاخرین کی تاویلات، مختلف قرأتوں کے وجوہ اور نحو کے اسباب کے بیان، مشتقات لغات، امثال و شواہد نظم و نثر، اخبار و احادیث سے آراستہ ہو، راوی لکھتا ہے کہ اس کے مولفین کو بیس ہزار اشرفیاں دی گئیں، اس تفسیر کا ایک نسخہ مدرسہ صابونی نیشاپور میں غزوں کے حملے (۵۴۸ھ) تک موجود تھا، اس کے بعد وہ اصفہان منتقل ہوا، اور آل خجند کے کتاب خانے کی زینت بنا، تاریخ یمینی کے مترجم ابو شرف ناصح جرباد قانی نے اضافہ کیا ہے کہ (اواخر چھٹی صدی ہجری) جب وہ اپنے وطن سے نکل کر اصفہان میں مقیم ہوا، اس نے تفسیر مذکور کا وہ نسخہ دیکھا تھا، سو جلدوں میں تھا، اس کے استنساخ کے لیے ایک عمر درکار ہے، اور اس کام کے لیے دیکھئے کتنے کاتبوں کی ضرورت ہوگی۔

طبری نے علم کی جتنی خدمت کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس کی ابتدائے تحریر سے موت تک جو حساب کیا گیا تو روزانہ ۱۴ ورق کا اوسط تھا، عبدالرحمن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کے بارے میں خود ان کے نواسے کا بیان ہے کہ انھوں نے دو ہزار مجلدات اپنے ہاتھ سے لکھی تھیں اور ہر روز ۴ نسخے لکھتے اور سالانہ ۴۰ تا ۵۰ جلد ہو جاتے۔

اسلامی تمدن کی برتری کے دور میں کروڑوں کتابیں لکھی گئیں، چونکہ اس زمانے میں پریس نہ تھا، اس لیے قلمی نسخے تیار ہوتے تھے، مخطوطے اچھے بڑے کئی قسم کے تھے، یہ مخطوطے



© rasailojaraid.com

جہاں بڑے بڑے خطاطین کے فنی کمال کی نمائندگی کرتے ہیں، وہاں پیشہ ور کاتبوں کی لاپروائی داستان اپنی زبان بے زبانی سے دہراتے ہیں، اس طرح لاکھوں کاتب، خطاط، خوشنویس وغیرہ اس کام پر مامور ہوتے، آپ غور کریں جس معاشرے میں کتابوں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہو۔ اور وہ سب کی سب قلمی شکل میں ہوں، اور اکثر و بیشتر کا حجم ہزار صفحے سے زیادہ ہو تو ان کے لئے کتابت کے کتنے وسائل درکار ہونگے، جس طرح لاکھوں خطاط اس کام میں مصروف ہوتے ہیں اتنی ہی تعداد میں جدول کش، سیاہی بنانے والے، کاغذ تیار کرنے والے بھی درکار ہوتے، بعد کے دوروں میں مصور بھی وجود میں آجاتے ہیں، وہ بھی قلمی کتابوں کی توضیح کے لیے ان میں تصویر کشی کرتے ہیں، غرض لاکھوں کروڑوں فنکاروں کی پیہم کوشش کا نتیجہ اسلامی تمدن کے کروڑوں مخطوطات ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ تعلیم و تعلم میں مصروف تھا، آپ اگر اس وقت کے اسلامی ممالک کی آبادی کو ذہن میں رکھیں تو دنیا کے تمدن میں جو علمی انقلاب ہوا وہ زیادہ حیرت آموز معلوم ہوگا۔ اور موجب صد افتخار بھی۔

مخطوطات کے سلسلے میں چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

۱۔ لاکھوں سے زیادہ مخطوطات ضائع ہو چکے ہیں، اور ان کی وجہ سے بہت سا علم بھی ضائع ہو گیا۔ نادر مخطوطات کے ساتھ نادر علم بھی دفن ہو گیا۔ عام مخطوطے بھی کسی نہ کسی درجے میں تحریفات کے حامل ہوتے ہیں، اس لیے کوئی دو مخطوطے یکساں نہیں ہوتے، اختلاف نسخ میں علم روپوش ہو جاتا ہے۔

۲۔ اسلامی مخطوطات جو باقی رہ گئے ہیں، وہ اپنی کثرت اور تنوع مضامین کے اعتبار سے دوسری تمام تہذیبوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

۳۔ ہزاروں کتابیں ایسی ہیں، جن کی بنیاد محض ایک ہی مخطوطے پر ہے، ایسے مخطوطے نہایت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



درجہ قیمتی ہیں، ان کی حفاظت کی فوری تدبیر ہونی چاہیے۔

۴۔ ہزاروں کتابوں کا محض ایک جزو محفوظ رہ گیا ہے۔

۵۔ مصنف کے خود نوشت مخطوطے خاصی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں جو ضائع ہو چکے ہیں، بہت زیادہ ہیں، اس لیے تقریباً ہر مصنف کوئی نہ کوئی مسودہ ضرور تیار کرتا ہے، اس لحاظ سے خود نوشت مخطوطات کی تعداد مصنف کی تعداد سے کم نہ ہونا چاہیے، لیکن موجود اور مفقود میں ایک اور ہزار کی نسبت سے بڑی نسبت ہوگی۔

۶۔ اسلامی دور کے مصنفین اور قارئین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ مخطوطات پر دوران مطالعہ اپنی یادداشت ثبت کرتے رہے ہیں، اس سے مخطوطہ کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا تھا، ذیل میں بعض چند ایسے مخطوطات کا ذکر کیا جاتا ہے جو یا تو خود نوشت مخطوطے ہیں، یا اہم مصنفین کی یادداشت سے مزین ہیں، یہ مثالیں بعض نمونے شتے از خروارے ہیں۔

کتاب تفسیر غریب القرآن علی حروف المعجم، تالیف ابوبکر محمد بن عمر بن احمد بن عزیز السجستانی (م ۳۳۰ھ) اس کو مشہور مصنف ابن الجوالیقی (م ۵۳۹ھ) نے ۵۱۴ھ میں پڑھا، مخطوطہ مکتوب ۴۹۹ھ میں، پھر زید بن حسن بن زید الکندی (م ۶۱۳ھ) کی یادداشت کے مطابق ربیع الثانی ۶۰۰ھ میں اس کے مطالعے میں رہا۔ (چسٹربیٹی، ڈبلن، پلیٹ نمبر ۱)

النہایہ فی غریب الحدیث تالیف مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الشیبانی الجزری (م ۶۰۶)، مؤلف کا خط (چسٹربیٹی نمبر ۳)

حلیۃ الابرار تالیف محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶)، اس کی کتابت خود مصنف کے شاگرد علی بن ابراہیم بن داؤد بن العطار نے ۶۷۲ھ میں کی۔ (ایضاً: نمبر ۶)

کشف الالہام، تالیف بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الشبلی بن قیم الشبلیہ (۷۱۲ - ۷۶۹ھ) خود مؤلف کا نسخہ، کتابت رجب ۷۳۸ھ (ایضاً: نمبر ۷)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہدایۃ الساری لفتح الباری، تالیف شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی الکنانی (م: ۸۵۲ھ) کی کتابت ۸۸۸ھ میں مشہور محدث القسطلانی (م: ۹۲۳) نے کی۔ (ایضاً نمبر ۱۲)

ادب الکاتب، تالیف ابن قتیبہ (م: ۲۷۰) تاریخ کتابت محرم ۵۴۳ھ کاتب جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی (وفات ۵۹۷ھ) عالم اسلام کی اس عظیم المرتبت شخصیت نے ۳۲ سال کی عمر میں اسے نقل کیا تھا۔ (ایضاً: نمبر ۴۲)

احیاء علوم الدین کا یہ نسخہ ۵۶۲ھ اور ۵۷۷ھ میں مشہور مورخ احمد بن یوسف بن الازرق کے مطالعہ میں رہا۔ (نمبر ۴۳)

کتاب شفاء الصدور، تالیف ابوبکر محمد بن حسین بن زیاد المعروف بالنقاش، اس نسخے پر دو یادداشتیں ہیں، ایک شوال ۵۳۱ھ کی جو ابوالبرکات بن المبارک الانماطی (م: ۵۳۸) استاذ ابن الجوزی کے خط میں اور دوسری سند مالک مخطوطہ کی ہے، جو عبدالمالک بن سعید کے بیٹے تھے۔ (م: ۵۶۰) (نمبر ۴۶)

کتاب الفوائد، تالیف ابوبکر بن عبیداللہ بن محمد بن الشاکر السیرانی (م: ۴۷۸) کے کاتب ابن عساکر مؤلف تاریخ دمشق ہیں، اس پر متعدد یادداشتیں ہیں، ۵۹۶ھ کی تحریر ابن عساکر کے پوتے علی بن القاسم (م ۶۱۶) کی ہے۔ (نمبر ۵۰)

مشارق الانوار، تالیف حسن بن محمد بن حسن الصغانی (م: ۶۵۰) پر خود مصنف کی یادداشت ہے اس کا کاتب عبداللہ بن محمد بن ابی بکر الغسانی الاندلسی ہے، اس کو خود مصنف کے گھر پر مختلف علماء نے پڑھا، صغانی اصلاً لاہوری ہیں۔ (نمبر ۵۱)

ترجمۂ اقلیدس نصیر الدین طوسی کے شاگرد نجم الدین علی بن عمر قزوینی کے خط میں ہے۔ (نمبر ۵۴)

اطراف الصحیحین تالیف ابونعیم عبیداللہ بن الحسن بن احمد بن الحداد الاصفہانی (م: ۵۱۷) خود مؤلف کے خط میں مکتوبہ ۵۱۱ھ۔ (نمبر ۵۵)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اختیار الاکبا[؟] تالیف شمس الدین السخاوی (م: ۹۰۲) اس کے کاتب ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد السخاوی الشافعی (م: ۸۹۳ھ) برادر مؤلف۔ (نمبر ۵۹)

ابن القلقشندی (م: ۸۷۱) کے خطبات کا مجموعہ جو ربیع الثانی سنہ ۸۶۳ھ میں مسجد جامع ازہر مصر میں دیئے گئے تھے۔ (نمبر ۶۰)

ابو خیثمہ زہیر بن حرب النسائی الشیبانی (وفات سنہ ۲۳۴ھ) پر ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ) کی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کو مجد الدین بن ابراہیم کے ساتھ پڑھا، اور سخاوی کی ایک تحریر سے واضح ہے کہ انھوں نے اس نسخے کو ۱۳ رجادی الثانیہ سنہ ۸۵۰ھ میں ابن حجر کے ساتھ مطالعہ کیا۔ (نمبر ۶۳)

اس نسخے میں سخاوی کے خط میں ان کے متعدد معاصرین کے نام ہیں، جو خود صاحب تصنیف بزرگ ہوئے ہیں۔ (نمبر ۶۵)

ابن قتیبہ کی غرائب الحدیث، کتابت سنہ ۴۶۹ھ، جو عبدالعزیز بن الحسین بن علی الزہری کے مطالعہ میں سنہ ۴۸۳ھ میں رہی۔ (نمبر ۶۸)

دارقطنی الحافظ (م: ۳۸۵) کی کتاب المجتنیٰ من السنن المطہرہ کے کاتب عبید اللہ بن ابراہیم بن مطہر الدقاق (م: ۶۱۹) ہیں اس پر متعدد فضلاء کی تحریریں ہیں، عماد الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی کے مطالعہ میں یہ نسخہ سنہ ۵۸۰ھ میں رہا، دوسری یادداشت شوال سنہ ۶۰۶ھ کی ہے۔ خط عبدالرحیم بن عبدالواحد بن احمد المقدسی کا ہے اور ضیاء الدین محمد المقدسی (م: ۶۴۳ھ) استاد کا اس لیے ان کا نام موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی (م: ۶۲۰) تھا، ایک شاگرد ابو الفتح محمد بن عبدالغنی الجماعیلی (م: ۶۱۳) پسر عبدالغنی المقدسی الجماعیلی (م: ۶۰۰ھ) (نمبر ۷۰)

مخطوطہ نمبر ۳۶۶۴ بخط تقی الدین ابوبکر بن محمد بن ابی بکر البسطامی الحلبی، معروف بہ ابن الحبیش شاگرد سخاوی، یہ مخطوطہ سخاوی کی بھی تحریر سے مزین ہے۔ (نمبر ۷۱)



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جمال الدین ابو الفرج ابن الجوزی (م : ۵۹۷) کی تنظیم کا مخطوطہ احمد بن عبد الرحمٰن بن احمد بن عبد الرحمٰن
ابن علی بن یحییٰ بن محمد الشہرزوری کے خط میں ہے، (وفات ۷۰۱) (نمبر ۱۱۰)

ابن فارس (م : ۳۹۵) کے تتمہ فصیح الکلام کا مخطوطہ یاقوت بن عبد اللہ الرومی الحموی (م : ۶۲۶)
کے خط میں (نمبر ۱۳۴) مخطوطہ نمبر ۳۹۹۹۔

اسی مخطوطہ کے جزاول پر یاقوت الحموی کی سنہ ۶۲۰ھ کی تحریر ہے، جس کی تصدیق ابن شداد نے
کیا ہے (ابن شداد کے لیے دیکھئے بروکلمن)

مختصر کتاب العین الزبیدی، علامہ بقائی کے خط میں، احمد تیمور پاشا کے کتاب خانے میں۔

شرح جوالیقی، ادب الکاتب، تالیف ابن قتیبہ (م سنہ ۲۷۰ھ) شارح کے بیٹے اسماعیل کے خط
میں مورخ سنہ ۵۵۳ھ (ویانا میں)

ابن الاثیر کی البسیط، نسخہ قاہرہ پر مؤلف کی یادداشت موجود ہے۔

منتخب نزہۃ الالبّاء، عبدالعزیز بن جماعہ کے خط میں، احمد تیمور پاشا کے کتاب خانے کا نسخہ۔

ابن شاکر کی عیون التاریخ کی بارھویں اور بیسویں جلدیں خود مصنف کے خط میں احمد زکی پاشا کے
کتاب خانے میں ہیں۔

ابو عبید القاسم بن سلّام کی تالیف، کتاب الاموال پر ذیل کا نسخہ بخط مؤلف علی ابن ایوب مقدسی،
احمد زکی پاشا کے یہاں ہے۔

"تاریخ النساء" تالیف یاسین العمری الموصلی خود مؤلف کے خط میں، احمد زکی پاشا کے کتب خانے میں ہے۔
کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ، تالیف ابو منصور موفق ہروی کا واحد نسخہ، فارسی کے مشہور شاعر
اسدی طوسی (م: ۴۶۵) کے خط میں ویانا میں ہے، اس کی تاریخ کتابت سنہ ۴۴۷ھ ہے، اور اس لحاظ سے
فارسی زبان میں سب سے قدیم مخطوطہ ہے، خط نسخ مائل بہ کوفی میں ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ترجمان البلاغہ، تصنیف محمد بن عمر الرادویانی نسخہ منحصر بفرد کتب خانہ فاتح استنبول میں موجود ہے، اس کی کتابت سنہ ۵۰۷ھ میں ہوئی، کاتب ابوالہیجاء اردشیر بن دلیسار القطبی شاعر ہے، جس کے مشورے سے اسدی طوسی نے لغت فرس لکھی تھی، ترجمان البلاغہ مدتوں فرخی سیستانی کی تصنیف سمجھی جاتی رہی ہے،

وفیات الاعیان تالیف ابن خلکان (۶۸۳) کا نسخہ متحف برطانیہ بخط مولف ہے۔

ان چند مثالوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے فضلاء نے قلمی نسخے اپنے ہاتھ سے تیار کیے، مطالعہ کے دوران ان پر یادداشتیں لکھیں، ان سے نہ صرف مخطوطات کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ وہ خود ادبی تاریخ کے ماخذ کا کام کرتی ہیں۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان مخطوطات کا بیشتر حصہ برباد ہو چکا ہے، ابن ندیم کی روایت ہے کہ جو کتابیں دستبرد زمانہ سے بچی ہیں، جو ہزار میں ایک کی نسبت سے ہیں، یہ چوتھی صدی کی بات ہے، اگر اس کو انتہائی مبالغہ پر محمول کیا جائے تو شاید سو اور ایک کی نسبت میں مبالغہ نہ ہو، یہ تو حملۂ تاتار سے پہلے کا حال ہے، اس سانحے سے اسلام کے مشرقی حصے کو جو جانی، مالی، علمی، تہذیبی نقصان پہونچا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ایک طرف تو لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تو دوسری طرف سیکڑوں عظیم کتاب خانے نذر آتش ہوئے، اور اس طرح اسلامی علوم کا بڑا سرمایہ ضائع ہو گیا، حملۂ تاتار سے اسلامی تمدن کو جو نقصان پہونچا اس کی تلافی ناممکن ہے، کتابوں کے اس عظیم سرمایے سے قطع نظر اس کے بعد کے ادوار کا علمی معیار بھی پست ہو گیا،

مخطوطات کی بربادی میں سیاسی اسباب کے علاوہ اور دوسرے عوامل کا بھی دخل ہوتا ہے، اور سب سے بڑی بات جہل اور عام آدمیوں کی غفلت ہوتی ہے، وہ اچھی اور بری کتابوں میں تمیز نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ اہم مخطوطات کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو کسی غیر ضروری کتاب کے ساتھ، موہ حال ہی کی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بات ہے کہ لاہور کے مشہور پروفیسر مولوی محمد شفیع صاحب ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، اسی دوران میں اس کی پھٹی جلد کے اندر ان کو کوئی قدیم تحریر نظر آئی، جلد کے اوراق کھولے گئے تو اس سے عنصری کی مفقود مثنوی وامق وعذرا کے خاصے اوراق برآمد ہوئے، پروفیسر صاحب نے ان اوراق کو بڑی توجہ سے پڑھ کر شایع کر دیا، اس طرح ایک گم شدہ کتاب کا پتہ چل گیا۔

ایک عجیب بات ہے کہ مخطوطات کی حفاظت کی ہر چند کوشش کی جائے، مگر وہ زیادہ سودمند نہیں ہوتی، رشید الدین فضل اللہ طبیب غازان خان کا دانشمند وزیر تھا، وہ جامع التواریخ کا مصنف ہے جو عالمی تاریخ نویسی کی زندہ مثال ہے، فضل اللہ کی اور دوسری تصانیف بھی ہیں، اس نے تبریز میں ایک کالونی آباد کی، اس کا نام ربع رشیدی رکھا، اس کا ایک حصہ کاتبوں اور خطاطوں کے لیے وقف تھا، جو اس کی کتابوں کے نسخے تیار کرنے پر مامور تھے، اس طرح اس کی تصانیف کے سیکڑوں نسخے تیار ہو گئے، اس کے علاوہ اس نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ اپنی ساری کتابوں کو عربی وفارسی دونوں زبانوں میں منتقل کرا دیا تھا، لیکن جس وقت پروفیسر براؤن تاریخ ادبیات ایران لکھ رہے تھے، رشید کی کتاب کا کوئی نسخہ مکشوف نہ تھا، بہرحال اس کے چند سال بعد جامع التواریخ کے نسخے ملے، اور اب یہ کتاب شایع ہو چکی ہے، اس کے مجموعہ رسائل کے نسخے بھی مل چکے ہیں، اور ربع رشیدی کا تیار کیا ہوا ایک نسخہ (عربی زبان والا) راجہ صاحب محمود آباد کے کتاب خانے میں بھی موجود ہے، اس کی ایک ضخیم کتاب "اسولہ واجوبہ" ہے، اس کے نسخے بھی مکشوف ہوئے ہیں، ایک نسخہ آثار میوزیم میں بھی تھا، جو اب مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو چکا ہے۔

باوجود اس امر کے کہ اسلامی علوم کا بیشتر خزانہ ضائع ہو چکا ہے، اور جو باقی ہے وہ محض ایک حقیر چیز ہے، اور اس باقی ماندہ چیز کا بڑا حصہ قلمی شکل میں ہے، اور یہ قلمی کتابیں اس گئی گذری حالت میں بھی اتنی ہیں کہ کسی دوسرے تمدن میں نہ ہوں گی، یہ مخطوطے مشرق اور مغرب کے کتابخانوں میں محفوظ ہیں، مغرب کے بیشتر کتابخانوں کی فہرستیں بھی شایع ہو گئی ہیں، محض یورپ میں قلمی کتابوں کی تعداد لاکھ سے متجاوز ہو جائیگی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اخبار التراث العربی کے حالیہ شمارے کی ایک اطلاع کے مطابق چالیس ہزار سے زیادہ عربی مخطوطے صرف روس کے مختلف علاقوں میں ہیں، ان میں فارسی اور ترکی کے مخطوطات جو اسلامیات سے تعلق رکھتے ہیں، شامل نہیں، اقبالؒ نے یورپ کے کتاب خانوں میں جب اسلامی خزانے دیکھے تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں، اس وقت انھوں نے قطعہ لکھا، جس کے یہ شعر قابل ملاحظہ ہیں: ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن — کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

واقعی اہل یورپ کی کتابوں کے محفوظ کرنے اور پھر ایک حد تک ان کے متعارف کرانے کی سعی مشکور ہوئی، البتہ مشرقی ممالک میں قلمی کتابیں نسبتۃً منتشر ہیں، اور ان سے استفادہ آسان نہیں، اکثر کتاب خانوں کی فہرستیں نہیں چھپی ہیں، ذاتی ذخائر کے بارے میں معلومات ہی نہیں، ضرورت ہے کہ ان ذخائر کا پتہ چلایا جائے، اور سب کتاب خانوں کی خواہ عمومی ہوں یا شخصی فہرستیں مرتب ہوں، اس کے بعد صحیح طور پر اندازہ ہوسکے گا کہ ہمارے ذخائر کی کیا نوعیت ہے، اور ہمارے علوم کا کتنا سرمایہ مشرق میں موجود ہے، ادھر چند سالوں سے عرب ممالک میں کچھ یہ احساس بیدار ہوا ہے، اور اپنے علمی ورثہ کی بازیافت اور اس کے متعارف کرنے کی سعی ہو رہی ہے۔

اسلامی علوم سے متعلق جو قلمی ذخیرے ہیں، وہ اس لحاظ سے نہایت درجہ اہم ہیں کہ اتنے متنوع قسم کے مخطوطات کسی دوسرے معاشرے میں نہیں ملیں گے، اور تعداد کے اعتبار سے وہ ساری تہذیبوں پر فائق ہیں، صرف قرآن کریم کے مخطوطات پر غور کریں تو اسلامی تمدن کی علمی برتری پوری طرح واضح ہوجائے گی، اس صحیفے کے جتنے نسخے دنیا میں ہیں، کسی ایک کتاب کا کیا ذکر، متعدد فنی کتابوں کے سارے مخطوطات اتنے نہ ہوں گے، پھر ان پر جتنی فنکارانہ مشق ہوئی ہے اس کی مثال سارے عالم میں نہیں ملے گی، قرآن مجید کے نسخوں سے خطاطی کی تاریخ مرتب ہوسکے گی۔


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسلامی مخطوطات پر نظر ڈالنے سے ایک لحاظ سے اطمینان ہوتا ہے کہ باوجود اتنے کم ہونے کے دوسری تہذیبوں کے مقابلہ میں آج بھی وہ زیادہ وقیع ہیں، لیکن ساتھ ہی اتنے سرمایے کی بربادی پر بڑا افسوس ہوتا ہے، اور جیسا کہ عرض ہو چکا ہے برباد شدہ حصہ باقی حصے کا کئی گنا ہے، اگر محض عظیم مصنفین کے آثار پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کی تمام تصانیف ہم تک پہونچی ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی علوم سے متعلق ہمارا علم کتنا ناقص و نامکمل ہے، گم شدہ مواد کا ایک نقشہ ہمارے ذہن میں اس طرح قائم ہو سکتا ہے اگر ہم چند کتابوں کے مآخذ و منابع پر ایک نظر ڈال لیں، فی الحال میں تین کتابوں کا مطالعہ اس لحاظ سے پیش کرتا ہوں:

۱۔ فضائل بلخ، تالیف شیخ الاسلام صفی الدین ابوبکر عبداللہ بن عمر بن محمد بن داؤد واعظ بلخی، تالیف ۶۱۰ھ ۲۔ طبقات الصوفیہ خواجہ عبداللہ انصاری، تالیف ۴۱۸ھ۔ ۳۔ العباب الذاخر تالیف امام صغانی (م ۶۵۰ھ)

فضائل بلخ عربی زبان میں تھی، یہ کتاب مفقود ہے، اس کا فارسی ترجمہ باقی ہے، مترجم عبداللہ محمد بن محمد ابن حسینی بلخی اور ترجمہ کی تاریخ ۶۷۶ھ ہے، فضائل بلخ میں ستر ایسے مشائخ بلخ کا تذکرہ ہے جن سے حدیث روایت ہے، ان میں پہلے شیخ ردمان بلخیؒ ہیں جو صحابی تھے، فضائل بلخ کے مآخذ میں حسب ذیل کتابیں تھیں:

۱۔ مناقب بلخ، ناپید ہے۔ ابو زید بلخی، ۲۔ تاریخ بلخ محمد بن عقیل بلخی، ناپید ہے، ۳۔ کتاب البہجہ، ناپید ہے، ۴۔ طبقات عبداللہ جوئے باری، ناپید ہے، ۵۔ المعجم الکبیر ابو اسحاق مستملی، ۱۴ دفتر میں تھی، سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے، اب ناپید ہے۔ ۶۔ طبقات علی بن فضل، چار مجلد میں تھی، اب ناپید ہے، ۷۔ تواریخ بلخ ناپید ہے، ۸۔ تاریخ بلخ ناصر الدین سمرقندی، ناپید ہے، ان کے علاوہ حسب ذیل کتابوں کا نام آیا ہے: ۱۔ سلوۃ العارفین، ناپید ہے، ۲۔ رسالہ قشیریہ، موجود ہے، ۳۔ تذکرۃ الاولیاء موجود ہے، ۴۔ الحدایق لاہل الحقایق، موجود ہے، ۵۔ کتاب ضحاک، ناپید ہے، ۶۔ نزہۃ الشیخ طبری ناپید ہے، ۷۔ کتاب النوازل، موجود ہے، ۸۔ کتاب النوادر، ۹۔ جمل الغرائب، موجود ہے، ۱۰۔ حلیۃ الاولیاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



موجود ہے، ۱۱۔ کتاب الوافیہ، ناپید ہے، ۱۲۔ تصانیف ہرثمہ، ناپید ہے، ۱۳۔ امالی شیخ المشائخ، ناپید ہے، ۱۴۔ امالی شیخ الاسلام محمد بن احمد لمخی، ناپید ہے، ۱۵۔ امالی قاضی القضاۃ ابو بکر، ناپید ہے، ۱۶۔ کتاب الدلائل البینات، ناپید۔

مؤلف کے آٹھ اہم منابع میں کوئی موجود نہیں، بقیہ سولہ کتابوں میں سے چھ موجود ہیں، اور ۱۰ مفقود۔

خواجہ عبداللہ انصاری کی طبقات الصوفیہ کے قبل کے متعدد صوفیہ کے تذکرے لکھے گئے تھے، ان میں سے سوائے سلمی (م: ۴۱۲) کے طبقات کے کوئی باقی نہیں ہے، خواجہ صاحب نے حسب ذیل ماخذ سے اپنا تذکرہ تیار کیا تھا:

۱۔ تاریخ مشائخ یا طبقات الصوفیہ، تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی، ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی، ابوالحسن علی ہجویری صاحب کشف المحجوب نے یہ کتاب دیکھی تھی، یہ کتاب مفقود ہے۔

۲۔ اخبار الصوفیہ والزہاد، تالیف ابوبکر محمد بن داؤد بن سلیمان، متوفی ۳۴۲ھ سلمی کے استاد تھے، یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

۳۔ طبقات النساک، تالیف ابوسعید احمد بن محمد غزنی، متوفی ۳۴۱ھ، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے، اب ناپید ہے۔

۴۔ کتاب اسمار مشایخ فارس، تالیف ابو عبداللہ محمد بن خفیف، متوفی ۳۷۱ھ یا ۳۷۲ھ یہ کتاب اب موجود نہیں۔

۵۔ کتاب اللمع، تالیف محمد بن احمد بن ابراہیم معروف بہ ابوبکر مفید، ابونصر سراج نے اپنی تصنیف اللمع میں اس سے استفادہ کیا ہے،

۶۔ معجم الشیوخ، تالیف ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن داؤد مستملی بلخی، متوفی ۳۷۶ھ، انہی

© rasailojaraid.com

مصنف کی ایک دوسری کتاب طبقات اہل بلخ بھی جو ابن حجر عسقلانی کے مطالعہ میں تھی، اس کے کسی نسخے کا علم نہیں۔

۷۔ طبقات الصوفیہ، تالیف ابو العباس احمد بن محمد بن زکریا زاہد نسوی (سنہ ۳۹۶ھ)

۸۔ تاریخ ابوبکر محمد بن عبداللہ رازی شیخ خراسان استاد سلمی (سنہ ۴۰۰ھ)

۹۔ طبقات الصوفیہ، تالیف ابو عبد الرحمن محمد بن حسین سلمی (م سنہ ۴۱۲ھ)

یہی آخر الذکر کتاب[1] باقی ہے، بقیہ کسی ایک کا پتہ نہیں۔

امام حسن بن محمد بن حسن صغانی لاہوری (م: ۶۵۰) مشارق الانوار کے لائق مصنف ہیں، ان کی کتاب العباب الزاخر لغت کی مشہور کتاب ہے، اس کے مقدمہ میں سو سے زیادہ کتابوں کا ذکر ہے، ان میں سے نصف کے قریب فنا ہو چکی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

محمد بن حبیب بغدادی کی حسب ذیل کتابیں: کتاب المنعم، موشح، موتلف، المؤتلف والمختلف، کتاب ایام العرب، ابو حاتم سجستانی کی حسب ذیل کتابیں: کتاب الطیر، کتاب النخلہ، ابن الصائب کلبی کی کتاب المعرین، کتاب الازواق العرب، کتاب القاب الشعراء، ابن السکیت: کتاب الصغیر، کتاب البحث، کتاب الفرق اخفش: کتاب النوادر، کسائی: کتاب النوادر وغیرہ وغیرہ۔

تفصیلات بالا سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اثاثے کا کتنا بڑا حصہ مفقود ہے، اس میں کلام نہیں کہ ان مفقود مخطوطات میں کچھ ایسے ضرور ہیں جو گوشۂ گمنامی میں پڑ گئے ہیں، تحقیق و تلاش سے ان میں سے کچھ ضرور معلوم ہو سکتے ہیں، اور خوشی کی بات ہے کہ اب ایک نہضت شروع ہو چکی ہے، اس کے نتیجے میں کچھ ہزار نئے مخطوطات سامنے آ گئے ہیں، خصوصاً عربوں میں اپنے ورثہ کی بازیافت اور ان کو عام کرنے کا شدید جذبہ

---

[1] یہ کتاب پروفیسر Johanes Pedaveni دانش گاہ کوپن ہیگن کے اہتمام سے لیڈن سے دوبارہ ۱۹۶۰ء میں چھپی۔ پہلی مرتبہ ۱۹۵۳ء میں مصر سے تصحیح ہو کر طبع ہو چکی تھی۔

© rasailojaraid.com



پیدا ہو چلا ہے، اس کے نتیجہ میں شام، عراق، لبنان، مصر، سعودی عرب، کویت، یمن وغیرہ ممالک میں تحقیقی ادارے کھلتے جا رہے ہیں، اور ان اداروں کے توسط سے نئے نئے مخطوطات سامنے آ رہے ہیں، ان کو متعارف کیا جا رہا ہے، کتاب خانوں کی فہرستیں شایع ہو رہی ہیں، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جو اسلامی علوم سے متعلق ہیں، ان سے رابطے قائم ہو رہے ہیں، ان ہی میں کویت کا ادارہ معہد المخطوطات العربیۃ ہے، اس سے ایک نہایت عمدہ علمی و تحقیقی مجلہ اخبار التراث العربی کے نام سے شایع ہو رہا ہے، اس میں نئے نئے مخطوطات اور نادر کتابوں کی اشاعت، کتاب خانوں کی فہرستوں کے بارے میں دلچسپ اطلاعات درج ہوتی ہیں، اسلامیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس مجلہ کا مطالعہ ناگزیر ہے، اس نہضت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا جو عالم عرب میں خصوصاً اور دنیائے اسلام میں عموماً شروع ہو چکی ہے یہ بڑی نیک فال ہے، اور اس سے واضح ہے کہ عالم اسلام کو اپنے ماضی کی شاندار علمی روایات کا احساس بخوبی ہو چکا ہے، اور امید کی جا سکتی ہے کہ ان شاء اللہ چند سالوں میں اسلام کی علمی روایت کی عظمت کا احساس عام ہو جائے گا، اور احساس زیاں سے جو نقصان پہونچا ہے اس کی تلافی ہو سکے گی، اس سلسلہ میں دو تین باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ دوسرے ممالک میں بھی اسی نوعیت سے کام کی رفتار تیز کر دینی چاہیے، دوسرے یہ کہ ان تمام ممالک کے درمیان ایک علمی رابطہ قائم کرنا چاہیے، اس کے لیے ایک عالمی ادارے کے قیام کی ضرورت ہے، تیسری گذارش یہ ہے کہ دراصل عرب علوم اسلامی کو عربی ورثہ کہتے ہیں، یہ نام صحیح نہیں، اس کو اسلامی ورثہ کہنا چاہیئے اس لیے کہ ان علوم کا تعلق نہ صرف عرب ممالک اور عربی زبان سے ہے، بلکہ غیر عرب ممالک خصوصاً ایران، ترکی، ہندوستان پاکستان وغیرہ مشرقی ممالک کا اسلامی علوم کی ترقی میں برابر کا حصہ ہے، اور اسی اعتبار سے عربی کے علاوہ فارسی ترکی، اردو کا مطالعہ اس سلسلہ میں ناگزیر ہے، بلکہ میں تو یہاں تک عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ ملایا اور انڈونیشیا کو بھی اسی زمرے میں شامل کرنا چاہیے، اس نہضت جدید کی ابتداء ہو چکی ہے، اس میں ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق حصہ لینے کی از بس ضرورت ہے۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی علوم نے تہذیب عالم کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے، لیکن ان علوم کا بیشتر حصہ مدفون ہے، اور جو معلوم ہے، وہ گم شدہ حصے کا محض ایک قلیل جز ہے، اور اس آخر الذکر کا بڑا حصہ مخطوطات کی شکل میں جن کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ بعض بعض ممالک میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جائے گی، مخطوطات میں بیشتر ایسے ہیں جہاں تک عوام کا کیا ذکر، فضلاء تک کی رسائی نہیں، ہمارا علم صرف مطبوعات تک محدود ہے، اور یہ مطبوعات کا حصۂ کثیر انتقاد متن کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا، اس سلسلہ میں حسب ذیل امور ازبس ضروری ہیں:

۱. اسلامی مخطوطات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اطلاعات بہم پہونچائی جائیں۔

۲. اہم مخطوطات کو چھاپ کر عام کیا جائے۔

۳. چھپی ہوئی کتابوں کو انتقاد متن کے اصول پر پھر سے چھاپا جائے۔

۴. گم شدہ مخطوطات کی بازیافت کی کوشش کی جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلہ کی نہضت کا آغاز ہو چکا ہے، اور اہل عرب خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہیں، ان میں اپنے ورثہ کی بازیافت کا جذبہ شدت سے پیدا ہو گیا ہے، یہ بڑی خوش آئند بات ہے، مستقبل قریب میں اچھے نتائج کے سامنے آنے کی پوری توقع ہے ☆☆

سروس شوز



© rasailojaraid.com